P. O. RGD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اُردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۱	یکم ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء	ایڈیٹر - قاضی عبدالغفار	۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۱ ہجری	نمبر ۱۷

کشتیاں

اتر پردیش میں اُردو زبان کے مسئلہ کے ساتھ سرکاری "کشتیاں" کافی مشہور و معروف ہو گئی ہیں۔ کئی مرتبہ پہلے بھی ان کشتیوں کو ہم اپنی امیدوں کا لنگر بنا چکے ہیں۔ لیکن ہر دفعہ یہ لنگر ٹوٹ گیا۔ اب بار (اگر اخباری اطلاعات صحیح ہیں) نئے وزیر تعلیم نے لیجسلیٹو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے اعلان فرمایا ہے کہ

> "ڈائرکٹر تعلیمات نے یہ ہدایات جاری کر دی ہیں کہ اگر کسی مدرسہ میں ۴۰ ایسے طلبا ہوں جو اُردو زبان کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں تو انکے لئے ایسا انتظام کیا جائے"

ان "کشتیوں" کے گذشتہ تجربوں سے اگر منہہ کا مزہ تلخ نہ ہوتا تو ہم بہت احتیاط کے ساتھ اس اعلان کا خیر مقدم کرتے لیکن جب اترپردیش کی روایت یہ ہے کہ اعلیٰ حکام کی کشتیوں کو ماتحت حکام مسترد فرما سکتے ہیں تو اب دیکھنا ہے کہ اس کشتی کے بطن سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اس معاملہ میں اترپردیش کی حکومت جو شہرت حاصل کر چکی ہے وہ ہمارے لئے ہمت افزا نہیں ہے!

وزیر تعلیم کے متذکرہ بالا بیان کی تفصیلات ہمارے سامنے نہیں ہیں اور نہ اس "کشتی" کی پوری عبارت شائع ہوئی ہے اس لئے جب تک بعض سوالات کی توضیح نہ ہو جائے اس "کشتی" پر تبصرہ کرنا مشکل ہے۔ اول تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اردو پڑھنے والے طلبا کے لئے ۴۰ کی تعداد کیوں مقرر کی گئی ہے اور یہ کہ مختلف جماعتوں کے لئے اُردو پڑھنے والوں کی اقل ترین کیا تعداد ہو گی جسکے لئے اُردو میں تعلیم دینے کا انتظام کیا جا سکیگا اور اگر یہ مجموعی تعداد ۴۰ کے بجائے ۳۹ ہو تو جن طلباء کی مادری زبان اُردو ہے انکا کیا حشر ہو گا۔ چھوٹے مدرسوں اور مکتبوں میں جہاں کل طلبا کی تعداد ہی چالیس پچاس سے زیادہ نہیں ہوتی اگر دس بیس طلبا اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو انکو کیا جواب ملیگا۔ آخر یہ ۴۰ کا عدد کیوں؟ اگر ہماری اطلاع صحیح ہے تو بعض دوسرے صوبوں میں اسی قسم کی شرط لگائی گئی ہے لیکن قلیل ترین تعداد دس یا پندرہ رکھی گئی ہے۔ اور اگر ہمارا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو خود اترپردیش میں بھی چند روز پہلے جماعتوں میں غالباً ۱۰ کی تعداد مقرر کی گئی تھی۔ مادری زبان میں تعلیم کے بنیادی اور مسلمہ اصول کو تسلیم کرکے آگے اس قسم

کی شرطوں سے شروع کرنے کے کہیں یہہ معنی تو نہیں کہ حکومت نے ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے ہاتھ سے واپس لینے کی پالیسی اختیار کی ہے — یعنی آردو کا مسئلہ اس گشتی کے اعلان کے بعد بھی وہیں رہیگا جہاں تھا!

اسمبلی اور کونسل کے آن اراکین کو جو آردو زبان کے حامی ہیں جلد سے جلد تمام تفصیلات حاصل کرنی چاہئیں — ایسا کرنے سے پہلے عوام کو اس "خوش خبری" کے سنانے میں عجلت کرنا مناسب نہ ہوگا۔

البتہ اس اعلان کا ایک پہلو ضرور ایسا ہے جو آئندہ ہمارے کام آسکتا ہے اور وہ یہہ ہے کہ اگر حکومت نے کوی ایسی گشتی جاری کردی ہے تو گویا اس نے آردو زبان کو اترپردیش میں ایک ایسی زبان تسلیم کرلیا ہے جسکو ذریعہ تعلیم بنانے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اسکے بعد شاید اب صوبہ کے کوئی معزز وزیر یہہ جرات تو نہ کرینگے کہ پھر اسمبلی کے اجلاس میں کھڑے ہوکر کہدیں کہ آردو کی علاقائی حیثیت کچھہ بھی نہیں! اتنی ذراسی بات کا بھی ہم صدق دل سے خیر مقدم کرتے ہیں۔

اس گشتی کے اعلان کے بعد اب آردو کے حامیوں کے لئے ایک بڑا کام یہہ ہے کہ وہ ہر مدرسہ میں ہم طلبا کو داخل کرائیں اور پھر آردو میں انکی تعلیم کا مطالبہ کریں — اس کسوٹی پر اس "گشتی" کا معاملہ بالکل صاف ہوجائیگا اور اس کام کو جلد شروع ہونا چاہئے۔

لیکن سب سے زیادہ فیصلہ کن تدبیر تو وہی ہے جسے اب علاقائی زبان کی تحریک کے نام سے چلایا جارہا ہے یہہ خود حامیان آردو کے خلوص کی کسوٹی ہے — وہ جو کچھہ اپنی زبان یا اپنے قلم سے آردو کی حمایت میں کہتے ہیں آسکی سچائی اور پختگی کا پیمانہ ۲۰ لاکھہ دستخطوں کی فراہمی ہے — اگر خدانخواستہ اور بفرض محال — یہہ تحریک کمزور پڑ گئی تو یہہ گشتیاں سب بے اثر ہوجائینگی اور آردو زبان کے مخالفین کو اسکا جنازہ نکالنے میں بہت آسانی ہوگی — ہماری ناکامی کو حکومت بہانہ بناکر اپنے اس دعوے کا ثبوت بنائیگی کہ اترپردیش میں آردو زبان کی کوئی حیثیت نہیں اور یہہ سب گشتیاں پھاڑ کر پھینک دی جائینگی۔

یہہ امکان کتنا ہی بعید از قیاس ہو لیکن یہہ خطرہ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے اور سب سے زیادہ زور علاقائی تحریک پر صرف ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر رشید جہاں مرحومہ

آردو زبان کی ادبی محفل کی ایک اور شمع گل ہوگئی — مرحومہ نئے ادب اور ترقی پسند ادب کی تحریک کے بانیوں میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتی تھیں — وہ آن چند اہل قلم میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ادب کو عوامی زندگی سے قریب لانے کا بیڑا آٹھایا اور محفل ادب کی قدیم راہ و رسم سے علانیہ بغاوت کی۔ مرحومہ کچھہ عرصہ سے کینسر جیسے خطرناک مرض میں مبتلا تھیں — آن کو روسی ادیبوں کی انجمن نے دعوت دی تھی کہ وہ روس آکر اپنا علاج کرائیں — لیکن وہ ایسے وقت وہاں جاسکیں جب کہ مرض اپنی آخری منزل پر پہونچ چکا تھا اور اس لئے جانبر نہ ہوسکیں — جدید اور ترقی پسند اور عوامی ادب کی محفلوں میں مرحومہ کا جتنا بھی ماتم کیا جائے وہ کم ہے۔ مرحومہ کے کردار کی خصوصیت یہہ تھی کہ وہ اپنے خیالات اور عقاید میں بہت مستحکم تھیں اور زندگی کی مشکلات کبھی ان کو اپنے پسند کے ہوئے راستے سے روگردان نہ کرسکیں — انہوں نے اپنی شخصیت میں عزم اور یقین کی ایک زندہ مثال پیش کی — ہمیں یقین ہے کہ ملک کی جدید ادبی محفلوں میں ان کا نقش ہمیشہ روشن رہیگا۔

ایک ادیب خاتون کی رحلت

افسوس ہے کہ نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم کی بیگم صاحبہ نفیس دلہن صاحبہ نے ۱۹ اگست کو وفات پائی — مرحومہ آردو فارسی کی شاعرہ تھیں اور دردانہ تخلص کرتی تھیں مرحومہ کی تصانیف میں "نقش وفا" مشہور کتاب ہے ادب اور شعر و سخن کے ذوق میں مرحومہ اپنے فاضل شوہر کی صحیح شریک وسہیم تھیں — آردو ادب کا ذوق رکھنے والی خواتین کی تعداد ہمارے ملک میں کچھہ زیادہ نہیں ہے انکی محفل میں عرصہ تک مرحومہ کی جگہ خالی رہیگی — لیکن ہم آردو ادب کی محفلوں میں کبھی انکو بھول نہیں سکتے۔

علاقائی زبان

عوام کی اب جو تنظیم ہوئی ہے اس سے ہر سنجیدہ مبصر پر یہ بات بخوبی واضح ہو گی کہ ہندی کی حمایت میں مبالغہ کرنے والے بہت سے لوگ زیادہ تر سنسکرت آمیز ہندی کی طرف مائل ہیں۔ میں یہ بات ذاتی تعلیم اور ایسے لوگوں سے اپنے تعلقات کی بنا پر کہتا ہوں۔

بحیثیت قومی زبان کے میں ہندی کی اہمیت کو گھٹانا نہیں چاہتا۔ لیکن میں اس معاملہ میں ضرورت سے زیادہ جوش کے خلاف آواز اٹھاتا ہوں۔ اس مضرت رساں رجحان کو روکنے کا ایک ٹھوس ذریعہ یہ ہے کہ اردو کو اس ریاست کی علاقائی زبان تسلیم کر لیا جائے۔ اور اسکا یہ درجہ سرکاری طور پر مان لیا جائے۔ اردو کو یہ حیثیت اس لئے دی جانی چاہئے تاکہ وہ اس بہت اچھی زبان کی ترقی کی ضمانت ہو اور ہندی کے پر جوش حامی بھی ذرا سوچیں اور ان دوسری زبانوں کے ساتھ ہمدردی کریں جنہوں نے ہماری جنگ آزادی میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اس معاملہ میں کسی فرقہ واری امتیاز کو روا نہ رکھا جائے۔ ہمیں ضرورت سے زیادہ جوش و خروش سے بچنا چاہئے اس لئے کہ اچھے کسی مقصد کے لئے غیر منطقی جدوجہد ایسے راستوں پر لے جاتی ہے جو ذرا بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتے۔

کسی ایک زبان کو آزادانہ ترقی کے مواقع سے محروم کرنے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ ان لوگوں کا گلا گھونٹ دیا جائے جو اس زبان کو پڑھتے لکھتے ہیں۔ زبان انسانیت کا ایک مخصوص حق ہے اور اردو زبان سماج کے ایک اہم جزو کے دل کی ہلکی سے ہلکی حرکت کو سننے کا ایک آلہ ہے۔ یہ کہنا کہ ہم اردو کی ترقی چاہتے ہیں اور پھر اسے قومی زندگی میں پورا پورا حصہ لینے سے روکنا فیاضی کے بہروپ میں ایک تمسخر انگیز تصنع ہے۔ ہمیں اپنی تہذیب اور اپنی روایات کے ساتھ وفادار ہونا چاہئے۔

ہری گوپال گوڑ

مرادآباد

[میسیج دہلی]

ہلکے ہلکے اشارے

جب سے ٹنڈن جی کانگریس کی صدارت سے سبکدوش ہوئے ہیں' بہت کم کچھ فرماتے ہیں۔ لیکن جب کچھ فرماتے ہیں تو یہ ممکن نہیں کہ اس میں کچھ نہ کچھ جدت نہ ہو۔ چنانچہ آگرہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے آپ نے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی ذہنیت کو مسلم لیگی ذہنیت صرف اس لئے قرار دیا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھنؤ کے اردو کنونشن کی صدارت کی تھی اور وہ اب انجمن ترقی اردو کے صدر کی حیثیت سے علاقائی زبان کی تحریک کی رہنمائی کر رہے ہیں ۔۔۔ ٹنڈن جی اگر علاقائی زبان کے مسئلہ کا جوڑ مسلم لیگ سے نہ ملاتے تو پھر کون تھا جو اتنی دور کی کوڑی لاتا! غنیمت ہے کہ انہوں نے یہ نہ فرما دیا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین پاکستانی جاسوس ہیں! ٹنڈن جی کانگریس کے صدر رہ چکے ہیں لیکن بولتے ہیں مہاسبھائیوں کی زبان میں۔ اور تک ایسی بے تکی ملاتے ہیں کہ غصہ آنے کے بجائے ہنسی آتی ہے! ---- موصوف نے "قومی آواز" کے ایڈیٹر کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا تمدن ایرانی ہے "اس لئے اپنا تمدن ایرانی بتانے والے ایران چلے جائیں یہاں بھارت میں تو بھارتیہ تمدن اور زبان ہندی چلیگی" ---- ضرور چلے حضور، بھارتیہ تمدن! لیکن ذرا کوئی صاحب یہ بھی تو بتا دیں کہ بھارتیہ تمدن آخر ہے کیا؟ یہ بات ٹنڈن جی کیوں مانیںگے کہ پٹھانوں اور گونڈوں کا تمدن اصلی بھارتیہ تمدن ہے۔ دنیا کے تمدن سے وہ "بھارتیہ تمدن"

کو علاحدہ رکھتے ہیں اور خود کوئی ایسا نمونہ پیش نہیں کرتے جو لکھنؤ یا دلی سے جدا ہو!

---ہمیں معلوم نہیں کہ "قومی زبان" کے ایڈیٹر سے کہاں اور کب یہہ بات ٹنڈن جی نے سنی -- بحالت خواب یا بحالت بیداری -- لیکن موصوف اتنی زحمت تو گوارا کریں کہ آریائی تمدن کی تاریخ پڑھ لیں۔ پھر اگر (قومی آواز) کے ایڈیٹر کو دیس نکالا دیکر ایران ہی بھیجنا ہے تو ہمیں اندیشہ ہے کہ ٹنڈن جی کو خود بھی انکے ساتھ جانا ہوگا!

-- بات یوں ہے کہ اب کانگریس کے حلقوں میں تو ٹنڈن جی کو "واہ واہ" ملتی نہیں تو پھر کبھی کبھی کوئی بات ایسی کیوں نہ کہی جائے کہ کم از کم مہاسبھائی آن کی جے پکاریں!!

گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است!

—:0:—

----بمبئی کے چیف منسٹر نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ گذشتہ انتخابات کے لئے حکومت نے رائے دھندوں کی ۷۰ فہرستیں ہندی رسم الخط میں طبع کرائی تھیں۔ جنکی طباعت پر ۷ لاکھ ۴۴ ہزار روپیہ صرف ہوا۔ انمیں سے ۶۹۰ کاپیاں فروخت نہیں ہوسکیں اور اس طرح تقریباً ساڑھے ۶ لاکھ کا خسارہ ہوا اب یہہ کاپیاں ردی کے بھاؤ فروخت کردی جائینگی!

----سوال یہہ ہے کہ بمبئی کی حکومت اس حسن ظن میں کیوں مبتلا ہوی کہ ایلکشن کے امیدوار ہندی کی فہرستوں سے کام لینگے۔ اس خام خیالی نے تھوڑے نہ بہت ساڑھے ۶ لاکھ روپیہ ڈبودئے! گویا سرکاری زبان کو سرکاری بنانے کے لئے یہہ خسارہ بھی گوارا ہے! لیکن اسکو کیا کیجئے کہ سرکاری زبان عوامی زبان نہیں بنتی!

--- کیا یہہ قصور بھی آردو والوں کا ہے کہ تمام ملک میں ایلکشن زیادہ تر آردو زبان کی مدد سے لڑائے گئے!

گونڈہ میں اردو ہفتہ

گونڈہ ۱۱ اگست۔ آج گونڈہ کی علاقائی زبان کمیٹی نے جس کے سکریٹری نیاز قومی صاحب ہیں جگر صاحب کی سرپرستی میں قومی ہفتے کا شاندار آغاز کیا۔ ایک جلسہ عام حیات اللہ انصاری صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں جگر صاحب، شہر کے معززین اور سرکاری افسروں کے علاوہ ۵ ہزار سے اوپر مجمع تھا۔

بھائی روشن زمان خان صاحب نے حیات اللہ انصاری صاحب کا تعارف کرایا اور کہا کہ آردو کی مہم کو فرقہ واریت سے وابستہ کرنا سخت غلطی ہے۔

حیات اللہ انصاری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ دستور میں آردو کو ہندستان کی زبان مان لیا گیا ہے اب جو شخص آردو کو ہندستان کی زبان نہیں سمجھتا ہے وہ دستور سے غداری کرتا ہے۔ اسی طرح دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت کارروائی کرنا ویسا ہی ہے جیسے اپنے حق کے حاصل کرنے کے لئے عدالت میں مقدمہ چلانا۔ کیا مقدمہ چلانا جرم ہوسکتا ہے؟ اگر وہ جرم نہیں تو دفعہ ۱۴۴ کے ماتحت کارروائی کرنا کیسے جرم ہوسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہندی اور آردو میں کوئی بیر نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بنگالی اور ہندی مرہٹی اور ہندی میں کوئی بیر نہیں۔

حیات اللہ صاحب کی تقریر کے بعد ایک مختصر سا مشاعرہ ہوا جس میں پہلے وقار صاحب نے اختر جمال کی نظم کے چند بند سنائے، بے کل صاحب، پرروپ سنگھ پیام، شار پارہ بنکوی، کرشن چندر حیرت اور رام بہاری اور جگر صاحبان نے اپنا اپنا کلام سنایا۔

گورکھ دھندا

(از نامہ نگار)

"گورکھ دھندا" سنجیدہ اور شائستہ اُردو زبان کی ایک قدرے بھونڈی اور بھدی اصطلاح ہے۔ لیکن اگر اسکے استعمال کا محل اور مقام بھی بھونڈا اور بھدا ہو تو وہ اپنے مقام پر موزوں ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں دستوریت اور جمہوریت نے جو روپ اور رنگ اختیار کیا ہے اسکو اگر ہم ایک گورکھ دھندا کہیں تو یہہ بات کچھہ ناشایستہ نہیں ہے۔

ہماری "جمہوریت" کے اسٹیج کے پیچھے جو ڈراما کھیلا جاتا ہے۔ وہی ہماری لاڈلی "جمہوریت" کا اصل تماشہ ہے اور یہہ سب کچھہ جو ہم پردے کے باہر دیکھتے ہیں کٹ پتلیوں کا کھیل ہے جن کے تار پردے کے پیچھے ہیں۔ اس گورکھ دھندے کی ایک دلچسپ کہانی آپ کا نامہ نگار آپ کو سناتا ہے۔ تفصیلات میں اگر کچھہ غلطی ہو تو دروغ برگردن راوی!

چند روز ہوئے حیدرآباد کی اسمبلی میں ایک قرارداد پیش ہوئی جس کا مفہوم یہہ تھا کہ عثمانیہ یونیورسٹی مرکزی حکومت کے حوالے نہ کی جائے۔ اس تجویز کے جواب میں ایک کانگریسی ممبر نے یہہ تحریک پیش کی کہ یونیورسٹی مرکز کے حوالے کر دی جائے لیکن آصفین ملکی زبانوں کی ترقی اور حفاظت کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ اس قرارداد میں جن ملکی زبانوں کا نام لیا گیا وہ صرف تین تھیں، مرہٹی، تلنگی اور کینڈی۔ اُردو زبان کا سرے سے ذکر ہی نہ تھا۔ اُردو زبان کے بعض حامیوں نے اسمبلی کے ایسے اراکین سے جن کی مادری زبان بلاشبہ اُردو تھی گفتگو کی اور اُن پر زور دیا کہ وہ کانگریسی ممبر کی قرارداد میں اُردو کے نام کا اضافہ کرائیں۔ ایک معزز ممبر صاحب نے تو بہت دانشوری کے انداز میں یہہ فرمایا کہ جناب! اس جھگڑے کو اس وقت نہ اٹھائیے، آیندہ کوئی موقعہ آئیگا تو دیکھا جائیگا! ایک صاحب نے فرمایا کہ بھائی! کیا کریں، معاملہ پارٹی کا ہے اب اگر پارٹی اجازت نہ دے تو ہم قرارداد میں ترمیم کیونکر پیش کریں، ایک محترمہ خاتون نے ایک لکھی ہوئی تقریر دکھائی جو وہ اس مسئلہ پر اسمبلی کے اجلاس میں پڑھنے والی تھیں (لیکن وہ پڑھی نہیں گئی) ایک دوسری خاتون رکن نے (جو کانگریسی ہیں) اپنے جوش اور ارادے کے استحکام کا یہاں تک اظہار فرمایا کہ قرارداد کی ایک ترمیم لکھہ کر صدر کو بھیج دی جس کا مفہوم یہہ تھا کہ مقامی زبانوں میں اُردو کے نام کا اضافہ کیا جائے۔

آپ کا بیوقوف نامہ نگار کتنا خوش تھا کہ کم از کم ایک خاتون ممبر نے کانگریس پارٹی کی قرارداد میں ترمیم پیش کرنے کی جراٴت تو کی اور ایسی ترمیم کا نوٹس تو صدر کو دے دیا۔ لیکن دوسرے دن اسمبلی کے اجلاس میں جب دونوں قراردادیں پیش ہوئیں اور آپ کا نامہ نگار وہاں جا کر گوش بر آواز بیٹھا تو کرسی صدارت سے آواز آئی کہ محترمہ خاتون نے اپنی ترمیم واپس لے لی ہے۔ لہذا اب بحث صرف کانگریسی اور غیر کانگریسی قراردادوں پر ہی ہوگی۔

معلوم یہہ ہوا کہ:-

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

وہ جو ایک الف لیلہ کا جن پارٹی کی بوتل میں بند رہتا ہے وہ عین وقت پر باہر نکل آتا ہے اور حیدرآبادی جمہوریت کے کاندھوں پر مشہور تسمہ پا کی طرح چڑھ بیٹھتا ہے! اس مقام پر کوئی سوال صحیح یا غلط اور حق و ناحق کا پیدا ہی نہیں ہوتا! "پارٹی" ہر چیز سے بالاتر ہے، جمہوریت سے، انصاف، حق سے، اور انسانیت سے! جب "پارٹی" کا قدم درمیان میں آجائے تو تمام مسلمہ قدریں بدل جاتی ہیں! "پارٹی" ایک مہاجن ہے جس کے پاس ہر ممبر کا ضمیر گرو ہوتا ہے! جس کے پاس خادمان

ملت اپنا ایمان کم از کم پانچ سال کے لئے رہن رکھہ دیتے ہیں!

سنا گیا کہ حیدرآباد کی انجمن ترقی اردو نے یہہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کا ایک وفد چیف منسٹر کی خدمت میں جائے اور اُن سے عرض کرے کہ آخر مقامی زبانوں کی فہرست میں اردو زبان کے وجود کو تسلیم نہ کرنے کا سبب کیا ہے اور تسلیم کرلینے سے "جمہوریت" یعنی "پارٹی" (دونوں کے ایک ہی معنی ہیں!) کا کیا نقصان ہوتا ہے۔ حیدرآباد کے ان عجائبات میں سب سے عجیب تو یہہ بات ہے کہ جہاں اردو زبان سے کام چلتا ہے اور کسی دوسری مقامی زبان سے کام نہیں چلتا وہاں بھی اردو کو ہٹا کر انگریزی زبان مسلط کی جارہی ہے۔ اگر یہہ ممکن ہوتا کہ اردو کے بجائے تلنگی یا مرہٹی سے کام لیا جائے تو وہ بھی ایک معقول بات ہوتی اس لئے کہ ایک مقامی زبان آگے بڑھتی؛ لیکن اس رجعت پسندی کا کیا علاج ہے کہ جب اردو کے مقابلہ میں کسی مقامی زبان سے کام نہ چلے اب بھی اردو کو ہٹانا اس قدر ضروری سمجھا جائے کہ اس کی جگہہ ایک غیر ملکی زبان کو جس سے ایک فی صد عوام بھی واقف نہیں تخت پر بیٹھا دیا جائے۔ ذیل کی ایک خبر ملاحظہ ہو۔

"حیدرآباد انجمن وکلاء جو گی پیٹھہ ضلع میدک نے اپنے اجلاس غیر معمولی میں اس اطلاع پر کہ ماہ ستمبر ۱۹۵۲ ع سے عدالتوں میں بدیسی زبان انگریزی میں کاروبار انجام دیئے جانے کے احکام صادر کئے جارہے ہیں گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت حیدرآباد اور صدر جمہوریہ سے مطالبہ کیا ہے کہ ملکی زبانوں میں کاروبار شروع ہونے تک حسب سابق زبان عدالتی اردو میں کاروبار انجام دیئے کے احکام صادر کئے جائیں تاکہ غریب رعایا کو حصول انصاف میں سہولت ہو ورنہ اضلاع والوں کے لئے انصاف کا حصول ناممکن ہوجائے گا اور غریب رعایا کو کثیر مصارف میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

(دکن نیوز)

اس قسم کی احتجاجی آوازیں ریاست کے ہر گوشہ سے اٹھہ رہی ہیں۔ سوال صرف اتنا ہے کہ آخر اردو کا بدل انگریزی کیوں؟ شاید اس لئے کہ ابھی ھندی یا کوئی مقامی زبان اردو کی جگہہ لینے کے قابل نہیں؟ لیکن اردو کو تو بہر حال ختم کرنا ضروری ہے اس لئے ہماری یہہ "جمہوریت" انگریزی زبان کا دامن پکڑ کر لٹکتی رہتی ہے مگر اردو کو کسی نہ کسی طرح جڑ سے اکھیڑنے کی تدبیریں بھی جاری رہتی ہیں۔ کہ بغیر اس کے ھندی پروان نہیں چڑھ سکتی!

اس مسئلہ کو انصاف اور حق کی ترازو میں رکھئے تو اس کا ایک اور گوشہ بصیرت افروز ہوتا ہے۔ یعنی ریاست حیدرآباد کی مقامی زبانوں کا مقام بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے (بہ اعتبار اعداد مردم شماری ۱۹۵۱ ع) یوں ہے کہ:-

۱ — .... تلنگی
۲ — .... مرہٹی
۳ — .... اردو
۴ — .... کنڑی

مزے کی بات یہہ ہے کہ جب ان چار زبانوں میں سے حذف کیا جاتا ہے تو تیسرے نمبر کی زبان کو، جو تھی جو بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے کم ترین ہے سلامت رہتی ہے۔ فہرست کے درمیان میں سے قلم کاٹتا ہے چوتھی کو چھوڑ کر تیسری کو! سبحان اللہ! انصاف اور حقوق کے مساوات کا یہہ انداز ملاحظہ ہو! لیکن آخر کیجئے کیا کہ معاملہ "پارٹی" کا ہے اور ہمارے وہ نمائندے بھی جن کی مادری زبان نسلاً بعد نسلاً اردو ہے اپنی زبان کو حق کے لئے نہیں کھول سکتے اس لئے کہ ایسا کرنا پارٹی کی "شریعت حقہ" کے خلاف ہوگا!

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو!

انجمن کی خبریں

رسیان خان پور

انجمن ترقی اردو رسیان خانپور کے زیر اہتمام ۳۰ جولائی تا ۵ اگست ۱۹۵۲ ع کو اردو ہفتہ بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ اسکول کے بچوں کے جلوس تمام قصبہ میں گھمائے گئے جن کے ہاتھوں میں بڑے بڑے پوسٹر اور رنگ برنگی جھنڈیاں تھیں۔ بچوں کے نعرے تھے۔ "اردو پڑھو لکھو" "بھارت کی زبان اردو ہے" "ہماری زبان اردو ہے" "اردو زندہ باد" وغیرہ۔ پوسٹروں پر بھی اسی قسم کے فقرے درج تھے۔ پروگرام کی ایک مد یہ بھی تھی کہ انجمن ترقی اردو رسیان خانپور کے تمام اراکین قصبہ کے غیر تعلیم یافتہ اشخاص کو اردو میں دستخط کرنا سکھائیں۔ ہر رکن نے اپنے دو اشخاص کو دستخط سکھائے۔

۵ اگست ۱۹۵۲ ع ۱۱ بجے دن ایک بڑا جلسہ زیر صدارت محمد صابر خان آفریدی وکیل صدر انجمن ترقی اردو رسیان خانپور منعقد ہوا۔

کچھ اصحاب نے تقریریں کیں اور انجمن کے جوائنٹ سکریٹری صاحب نے کام کی رپورٹ پڑھکر سنائی۔ آخر میں صدر صاحب نے ایک لمبی تقریر میں اردو زبان اور دستخطوں کی مہم کی اہمیت کی وضاحت کی اور عوام سے اس تحریک میں گرمجوشی سے حصہ لینے کی درخواست کی۔ آپ نے اپنی تقریر میں حسب ذیل حضرات کا جانفشانی سے کام کرنے اور دستخط حاصل کرنے میں مدد دینے کے لئے شکریہ ادا کیا۔

۱۔ منشی سخاوت اللہ صاحب چشتی۔ ۲۔ محمد یوسف خان صاحب آفریدی۔ ۳۔ حافظ حامد حسین صاحب۔ ۴۔ حکیم نور محی الدین صاحب۔ ۵۔ نشاد حسین صاحب۔ ۶۔ محمد صابر حسین صاحب۔ ۷۔ حکیم عزیز الرحمن خان صاحب ۸۔ منشی قاسم علی صاحب۔

آخر میں بچوں کو شیرینی تقسیم ہوئی۔

بڑوت (میرٹھ)

محمد عقیل صدیقی صاحب سکریٹری اطلاع دیتے ہیں کہ بڑوت میں میں صدر انجمن کی ایک شاخ قائم کی گئی ہے جس کے صدر مولانا حکیم عبدالغنی صاحب مہتمم مدرسہ نوریہ عربیہ ہیں۔

—:o:—

ہاپوڑ

حشمت علی خورشید صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ:-

انجمن ترقی اردو ہاپوڑ کی طرف سے ایک عام جلسہ جس میں تقریباً پانچ ہزار افراد نے شرکت کی۔ زیر صدارت بابو لکشمی نرائن صاحب سابق پارلیمانی معتمد ۹ بجے شب میں منعقد ہوا۔ جلسہ قومی ترانے (جن گن من) سے شروع ہوا۔ جناب فخرالدین محمد بہلے صاحب نے انجمن ترقی اردو کی تاریخ اور اس کے کام پر روشنی ڈالی اور زبان کے مسئلے کو وضاحت کے ساتھ موثر انداز میں پیش کیا اور ہاپوڑ کے ان بزرگوں کی خدمات پر بھی فخر کیا جن کے بے شمار احسانات زبان و ادب پر ہیں۔ بہلے صاحب کے بعد بابو لکشمی نرائن صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ:-

"اردو یہیں کی زبان ہے اور اگر اسے پنپنے کا موقع نہ دیا گیا تو یہ سمجھہ لیجئے کہ حکومت اپنی بقا نہیں چاہتی۔ ایک آزاد ملک میں لوگوں کو اس کا حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنی زبان بولیں اور اسے ترقی دیں اور اپنے کلچر کو زندہ رکھیں۔ اردو کا وطن یہی ہے اور یہاں کے لوگوں کی زبان اردو ہے اور اس حقیقت کو سب جانتے ہیں کہ یہاں کے لوگوں کی بڑی تعداد اردو بولتی ہے۔ ہندی کلچر کی بناوٹ میں اردو کا بڑا حصہ ہے۔ موصوف نے اپیل کی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کی کوشش کریں کہ دستخط

[illegible] ہونے [illegible] دستخطی کام جاری
[illegible] ہوتا ہے۔

[illegible] کے [illegible] شروع [illegible] کی [illegible] میں [illegible] کوشش [illegible] جس سے [illegible] صحیح [illegible] لوگوں [illegible] اور [illegible] اس حصہ [illegible] کے [illegible] میں ہو رہا ہے۔

انجمن ترقی اردو ہند نے اردو ہفتے کے سلسلے میں [illegible] گئے۔ مجلس نظماء کے [illegible] اور [illegible] کارکنوں سے دستخط حاصل کرنے میں زیادہ سے زیادہ [illegible] کرنے کا عہد کیا۔ ایک [illegible] کمیٹی کی تشکیل کی گئی جو اردو ہفتے کو کامیاب بنانے کا پروگرام مرتب کرے گی۔ اس کمیٹی کے کنوینر ملکہ مرزا [illegible] بیگم صاحب وائس چیئرمین میونسپل بورڈ [illegible] منتخب ہوئے۔ [illegible] کمیٹی کے [illegible] میں مجلس نظماء کے اراکین کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اب تک صرف دیہی حلقوں سے دس ہزار دستخط فراہم ہو چکے ہیں جب کہ شہری حلقوں سے اس سے زیادہ دستخطوں کے فراہم ہونے کی امید ہے۔

مراد آباد

[illegible] "یوم خواتین اردو" کی جانب سے اردو [illegible] کے سلسلے میں ایک جلسہ بیگم [illegible] کی صدارت میں منعقد ہوا۔ بیگم آرائش سعید نے اس کام کی تفصیلی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ [illegible] کہ ہم اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہیں۔ اب تک [illegible] ہیں جو چار حلقہ انچارجوں کی [illegible] کام کر رہے ہیں جنہوں نے [illegible] کام ختم کر کے [illegible] ہزار دستخط فراہم کر لیے ہیں اور کارکنوں کی ضرورت ہے جو کام کی رفتار تیز کرکے ۱۰ اگست سے [illegible] تک [illegible] کو [illegible] ممکن [illegible]

حلقہ [illegible] کی انچارج [illegible] بیگم ہیں جو [illegible] ہزار دستخط فراہم کر چکی ہیں اس حلقے کے کارکنان [illegible] اقبال احمد، بیگم [illegible] خورشید [illegible] احمد، نسیم [illegible] اور ملکہ [illegible] بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔

حلقہ نمبر ۲ میں جس کی انچارج آرائش سعید ہیں تین ہزار سے زائد دستخط ہو چکے ہیں۔ افضال احمد [illegible] بہت تندہی سے کام کر رہے ہیں حلقہ نمبر ۳ کی انچارج عزیز النساء بیگم ہیں جو خود بھی کارکن کی طرح کام کر کے [illegible] سو دستخط حاصل کر چکی ہیں۔ حلقہ نمبر ۴ طلبہ شریف اللہ کا حلقہ ہے تقریباً آٹھ سو دستخط وصول ہو چکے ہیں۔

بیگم آرائش سعید نے کہا کہ ہمارے تمام کارکنان نہایت خلوص اور محنت سے کام کر رہے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ افضال احمد [illegible] عزیز النساء، اقبال احمد اور نسیم [illegible] کی خدمات یقیناً اس قابل ہیں کہ انہیں خراج ستائش کیا جائے۔

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے بیگم آرائش سعید نے کہا کہ "ہمیں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ تحریک غیر فرقہ پرورانہ ہے کیونکہ اردو ایک مشترکہ سرمایہ ہے۔ سیاسی اختلافات زبان کے مسائل میں نہیں حائل ہو سکتے۔ ہم ہندی کے خلاف نہیں ہیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہندی کے ساتھ اردو کو بھی سرکاری زبان کی حیثیت دی جائے اور اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے تاکہ کوئی طالب علم اپنی مادری زبان سے نہ محروم رہ جائے ورنہ اس کی دماغی نشوونما نہ ہو سکے گی جس کے اثرات بہت مضر ہوں گے۔

باہتمام عزیز حسین منیجر نیشنل پرنٹرس کیپس میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب
پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا۔